قرآن کا تصور انصاف

پروفیسر محمد اسلم اصلاحی
صدر شعبہ عربی جے این یو۔ نئی دہلی

خداوند قدوس نے جس گھڑی اس عالم آب وگل کو وجود بخشا اسی دم اس کی سلامتی و بقا کے قوانین بھی وضع کردئے۔ سورہ الرحمٰن کی ابتدائی آیات میں خدائے بزرگ وبرتر نے جہاں تخلیق آدم و شمس وقمر نیز دیگر مظاہر فطرت کی نمود کی طرف اشارہ کیا ہے وہیں میزان کے نصب کرنے کی بات کہی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس میزان کی خلاف ورزی نہ کی جائے اور اس میزان کو عدل وانصاف سے قائم کیا جائے۔ اس میں کسی طرح کی کمی یا بیشی نہ کی جائے ۔ اس ہدایت کا واضح مقصد یہ ہے کہ مبدأ فیاض نے جن مظاہر کو لباس مجاز عطا کیا ہے ان میں دوام واستقرار صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ان میں توازن واعتدال کو اولین اہمیت دی جائے ۔ یہ توازن واعتدال کیونکر برقرار رکھا جائے اس کے لئے خدائے لم یزل نے خلق کائنات کے ساتھ ہی کچھ قواعد وضوابط بھی وضع کردئے۔ ان قواعد وضوابط کا جب تک لحاظ رکھا جائے گا اس وقت تک ہم تباہی وبربادی سے محفوظ رہیں گے۔ ان میں خلل آتے ہی ہمارا سارا وجود خطرے میں پڑجائے گا۔ ان کی اسی اہمیت نے بیدار مغز اشخاص اور مہذب اقوام کو ان کے تعلق سے ہمیشہ چوکنا رکھا ہے۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ان میں کسی طرح کی کمی یا زیادتی ہلاکت وبربادی کا پیش خیمہ ہے۔

اپنے سفر امریکہ کی روداد میں ایک عرب سیاح نے اس صداقت کو اجاگر کرنے کی غرض سے درج ذیل دلچسپ واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے ۔

'' ایک روز میں ایک امریکی گاؤں کی سیاحت پر نکلا ۔ گاؤں کے باہر ایک شاندار میوزیم کو دیکھ کر میں حیرت میں پڑگیا اور سوچنے لگا کہ اس چھوٹے سے گاؤں میں میوزیم کے کیا معنی ! میوزیم کے اندر گیا تو دیکھا کہ ایک جانب ایک گز رکھا ہے۔ گز دیکھ کر سوچنے لگا کہ آخر اس میں کیا خاص بات ہے جو اسے میوزیم کی زینت بنایا گیا ہے ۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ برجستہ میوزیم کے ایک ملازم سے یہ سوال کر بیٹھا : اس گز میں آخر ایسی کیا خاص بات ہے جو اسے یہاں میوزیم میں رکھا گیا ہے؟؟ جواب میں ملازم نے جس نکتہ کی طرف اشارہ کیا اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا۔ اس نے کہا کہ اس گز کی اہمیت کبھی کبھی بے انتہا بڑھ جاتی ہے ۔ اس کی وجہ سے بہت سے مسائل اور

جھگڑے لڑائیاں پیدا ہونے سے پہلے ہی ختم ہوجاتی ہیں۔ یہ سب کچھ کہہ کر اس نے میری بیتابیٔ شوق کو کچھ اور بڑھادیا۔ میں نے مضطرب ہوکر پوچھا کہ اس میں کیا کرامات ہیں؟ وضاحت تو کرو۔ اس کو نوادرات میں کیسے جگہ مل گئی ۔ اس طرح کے گز تو بازاروں میں ہر جگہ دستیاب ہیں۔ ملازم نے جواباً جو کچھ کہا اس میں یقیناً بے پناہ حکمت اور بیش بینی ہے ۔ اس نے کہا: بازاروں یا دیگر جگہوں پر پائے جانے والے سارے گز معیاری نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی وجہ سے کبھی کبھی مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں لوگ انہیں لے کر یہاں آتے ہیں اور اس کو معیاری پیمانہ مان کر اپنے گزوں کے معتبر یا نامعتبر ہونے کا فیصلہ خود کر لیتے ہیں ۔ اگر یہ نہ ہوتو نہ جانے کتنے مقدمے عدالتوں میں درج ہوں اور نہ جانے کتنے لوگ زخموں یا ہلاکتوں کی نذر ہوجائیں۔''

خالق کون ومکاں کو میزان یعنی معیار کی اہمیت کا احساس تھا سی لئے تو اس نے خلق اشیاء پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ خلق کے ساتھ ہر چیز کا پیمانہ بھی مقرر کردیا بنابریں اپنی کتاب مبین میں اس نے متعدد جگہوں پر فرمایا ہے کہ ''ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کی ٹھیک ٹھیک جگہ بھی متعین کردی'' سورہ الفرقان کی دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے۔'' وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا '' یعنی ملک واقتدار میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ بھی فرمادیا۔ بالفاظ دیگر یہ اندازہ کرنا اللہ تعالیٰ کا ایک مخصوص طریقۂ کار ہے۔ ایک ایسا طریقہ کار جس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں فرمان الٰہی ہ'' سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۔ یعنی یہ اللہ کا طریقۂ کار ہے اور اس میں تم کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ اس طریقۂ کار کی اہمیت کا بخوبی احساس ہمیں مظاہر قدرت نیز مناظر فطرت کے مشاہدہ کے وقت بار بار ہوتا ہے۔ اس طریقۂ کار سے عدول یا خروج یقیناً ہم سب کیلئے تباہی وبربادی کا باعث ہوگا۔ اس سے روگردانی بالفاظ دیگر'' وضع الشئی فی غیرمحله '' یعنی کسی چیز کو اس کی جگہ پر نہ رکھنے کے مترادف ہوگی اور ماہرین قانون ظلم کی یہی تعریف بیان کرتے ہیں۔ اس ظلم کا مقابل عدل ہے ۔ عدل یعنی کسی چیز کو اس کی متعین جگہ پر رکھنا ۔ عدل وظلم کی اس تعریف کی روشنی میں کوئی بھی شخص از خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ عدل وانصاف کیا ہے اور ظلم وزیادتی کیا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ شخص سلیم طبیعت اور صالح فطرت کا حامل ہو۔ حدیث نبوی ہے کہ جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے وہ اگر درست ہوتو ہر چیز درست ہوگی اس میں اگر خرابی ہوتو ہر چیز خراب ہوگی۔ وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔ گویا حق وباطل کے مابین تمیز کے لئے صالح دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اوامر ونواہی کا ذکر آیا

ہے وہیں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کا حال بخوبی جانتا ہے۔''وَنَعْلَمُ مَاتُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُه (سورہ ق ، آیت ۱۶) یعنی ہم انسانی نفس کے وسوسوں کو جانتے ہیں'' کا یہی مطلب ہے۔ اسی لئے ہمارے ظاہری امور واقوال کی باریابی ہمارے باطنی عقائد وخیالات پر مبنی ہے ۔ یہ ایک انتہائی پیچیدہ بات ہے غالب علیہ الرحمہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں اس ضمن میں''دھوکہ'' ہم محض اس وجہ سے کھاتے ہیں کہ ہم اپنی قوت بینائی پر کچھ بے جا انحصار کرتے ہیں کہ اسی لئے تو قرآن کریم میں فرمودۂ الٰہی ہے۔'' يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" (سورہ الروم آیت ۷) یعنی کافر لوگ بالفاظ دیگر کوتاہ نظر لوگ دنیاوی زندگی کا صرف ظاہری پہلو ہی دیکھتے ہیں ۔ اس صورتحال میں خیروشر کے درمیان تمیز یقیناً توفیق الٰہی کے بغیر امر محال ہے۔'' تانہ بخشند خدائے بخشندہ'' کسی اردو شاعر نے اس صورتحال کی ترجمانی بڑے خوبصورت انداز میں کچھ اس طرح کی ہے۔

یہ تمیز خیرو شر بھی عجب امتحان ہے کوثر
وہی آگ روشنی دے وہی بستیاں جلادے۔

قرآن کریم میں اسی لئے اصول وضوابط سازی سے زیادہ دل کی درستگی ،نفس کی پاکیزگی اور روح کی بالیدگی پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور رسول اکرم کے تعلق سے فرمایا گیا ہے کہ انہیں لوگوں کے دلوں کی صفائی اور تزکیۂ نفس کے لئے بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ الجمعہ میں فرماتے ہیں : هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلَالٍ مُبِينٍ(آیت: ۲) ترجمہ: اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے ناخواندہ لوگوں میں ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے، ان کی تطہیر کرتا ہے اور انہیں کتاب یعنی قرآن اور حکمت ودانائی کی باتیں سکھاتا ہے۔'' نفس کے تزکیہ وتطہیر کے بعد انسان کے اندر عدل وانصاف کا حقیقی شعور خود بخود پیداہوجاتا ہے اور وہ حالات وضروریات کے تحت قرآنی بصیرت کی روشنی میں اپنے لئے خود قانون وضع کرتا ہے اس ضمن میں وہ قول رسول اکرہ لنفسک مایغیرک تکرہ'' یعنی اپنے لئے جو چیز ناپسند کرو وہ دوسروں کے لئے بھی ناپسند کرو'' کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے ۔ دنیا میں بھلا ایسا کون شخص ہوگا جو اپنے لئے کسی طرح کے ظلم وزیادتی کو پسند کرتا ہو ۔ مذکورہ ارشاد رسول کو حق وانصاف کی دنیا میں کلیدی حقیقت حاصل ہے۔

بایںہمہ ایسے اقوال رسول اور ایسے فرمودات الٰہی کا اثر صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جن کے نفوس پاک اور جن کے قلوب صاف ہوں ۔ الہامی رشدو ہدایت کا فائدہ صرف خدا ترسوں کو ہوتا ہے

قرآنی آیت ''ھدًی للّمتقین ''یعنی'' یہ کتاب مبین صرف پرہیزگاروں کے لئے رہنما ہے''۱ سے اس حقیقت کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ دلوں کی درستگی ہی اسلامی تعلیمات کی روح ہے ۔جس شخص کو اس کا ادراک ہوجائے گا اس سے ظلم وجبر کا ارتکاب از بس ناممکن ہوجائے گا ۔ ایسا شخص اپنے ہر ایک عمل میں رضائے الٰہی کا خواستگار ہوگا ۔ بنابریں اسے جس چیز سے روک دیا جائے گا وہ اس سے رُک جائے گا اور جس عمل کی ہدایت کی جائے گی وہ اس کو بجالائے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔'' إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُوْلَئِكَ هُمْ الْمُفْلِحُونَ ☆ وَمَنْ يُطِعْ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقِيهِ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْفَائِزُونَ ۔۲''یعنی مومنین کو جب اللہ اور اسکے رسول کی طرف ان کے مابین کسی فیصلے کی غرض سے بلایا جاتا ہے تو ان کا صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا، ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں اسی طرح وہ جو اللہ اور ان کے رسول کی پیروی کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا اور تقویٰ اختیار کرتا ہے وہی کامران اور بامراد ہے۔

مذکورہ بالاخوبیوں سے جب کوئی شخص آراستہ ہوجاتا ہے تو وہ اپنے جذبات و احساسات نیز خواہشات کو امر الٰہی کے تابع کردیتا ہے۔ وہ خدا کی نظر سے دیکھتا اور اس کے ہی ذہن سے سوچتا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمْ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلاَلًا مُبِينًا۳ یعنی''جب اللہ اور اس کے پیغمبر کسی معاملے میں کوئی فیصلہ صادر کردیتے ہیں تو اس معاملے میں کسی مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو کوئی اختیار باقی نہیں رہ جاتا ۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہوگا''۔ کے بعد اللہ اور اسکے رسول کے اوامر ونواہی کی پیروی میں ہی اس کی نجات ہے وہ اگر ایسا نہیں کرے گا تو معصیت الٰہی کا مرتکب ہوگا وہ ہمیشہ کے لئے گم کردہ راہ ہوجائے گا۔ بدنصیبی ومحرومی اس کا مقدر بن جائے گی۔ اس خسران اور نامرادی کا احساس اسے ہمیشہ ظلم وزیادتی سے دور اور عدل و انصاف سے قریب رکھے گا ہر چند کہ اسے اپنی اس کوشش میں ناقابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔ ایسا شخص بخوبی جانتا ہے کہ اس کی بصیرت وبصارت کا دائرہ ظاہری امور تک محدود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری کوتاہی نظر اکثر حالات میں ہمیں غلط نتائج تک پہنچا دیتی ہے۔ حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰ کے مابین جو کچھ پیش آیا اور جس کا ذکر قرآن کریم میں بالتفصیل آیا ہے ۴ ہمارے حواس خمسہ میں نقص نیز ان کی محدودیت کا بین ثبوت ہے۔ قرآن کریم میں اس طرح کی متعدد آیات ہیں جن سے انسانی صلاحیتوں کی خامیاں اجاگر ہوتی ہیں۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ'' وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لاَيُبْصِرُونَ بِهَا ۵ یعنی

ان کے پاس آنکھیں ہیں پر ان سے دیکھتے نہیں'' آنکھیں ہوتے ہوئے نہ دیکھنا ہمیں یقیناً ایسی راہ پرگامزن کردے گا جہاں ظلم وناانصافی کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

حضرت داودؑ اور دہقان کی بیوی کے تعلق سے جو کچھ سورہ ص کی آیات ۲۰ تا ۲۴ میں آیا ہے وہ اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ ایسی صورت میں ربانی ہدایات کی ہم انسانوں خاص طور سے نیک طینت انسانوں کو اشد ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ہدایات یا تو فرشتوں کے ذریعہ ہم تک پہنچتی ہیں یا پھر ان کے لئے وحی والہام واحلام یا القاء کا سہارا لیاجاتا ہے ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلاَّ وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ [۶] یعنی'' کسی بھی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ یا ہر پردے کے پیچھے سے یا پھر رسول بھیجا جائے جو اللہ کی اجازت سے جو کچھ وہ چاہتا ہے اسے پیش کرے بیشک اللہ بلند وبالا اور دانا ہے۔'' اس حقیقت کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیکو کار بندوں کو بروقت متنبہ کرکے انہیں افراط وتفریط سے بچالیتا ہے اس کا اندازہ ہمیں سورہ ص میں مذکورہ حضرت داودؑ اور فرشتوں کے مابین تمثیلی مکالموں سے بخوبی ہوتا ہے خاص طور سے اس وقت جب ان سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ میرے بھائی کے پاس ننانوے بھیڑیں اور میرے پاس صرف ایک بھیڑ ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کو بھی ہتھیالے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں۔ یہ تمثیلی داستان سن کرحضرت داؤدؑ سمجھ گئے کہ ان سے کسان کے حق میں زیادتی ہوگئی ہے چنانچہ وہ توبہ کرتے ہوئے فوراً سجدہ میں گرگئے'' ۔تعلیمات الٰہی کا در اصل یہی سب سے بڑا فائدہ ہے کہ ان کی روشنی میں انسان دوسروں کے بجائے اپنا محاسبہ خود کرتا ہے۔ وہ اپنے عمل کے بارے میں خود فیصلہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اس کے سامنے ہمیشہ حدیث نبویؐ رہتی ہے۔''کلکم راع وکلم مسؤل '' یعنی ''تمہارا ہر شخص نگہبان اور تمہارا ہر شخص جوابدہ ہے۔'' صورتحال جب اس طرح کی ہوگی تو ظلم وزیادتی کے امکانات محدود ہی نہیں بلکہ معدوم ہوجائیں گے۔ کیونکہ ایسی حالت میں ہر شخص کسی طرح کی زیادتی کے اقدام سے پہلے دس بار سوچے گا کہ بروز حشر اسے اپنے اس عمل کی جوابدہی مشکل ہوجائے گی۔ اس کے لئے مشکل ہوجائے گا۔ بأی ذنب قتلت'' یعنی کس جرم میں اسے قتل کیا گیا، کا جواب دینا ہوگا۔

ایسا شخص درحقیقت دو طرح کے محاسبوں کے درمیان محصور ہوگا۔ ایک تو محاسبہ نفس اور دوسرا محاسبۂ روز حشر ان دونوں محاسبوں کے بالمقابل اسے دیگر لوگوں کے محاسبہ کی چنداں فکر نہیں ہوگی ۔ کیونکہ وہ کورٹ ، کچہری نیز انسان کے وضع کردہ قانون سے پہلے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہے گا اور قبل اس کے کہ اس کے کسی عمل کے بارے میں لوگوں کا فیصلہ آئے وہ اپنے بارے میں خود

حکم صادر فرمادے گا۔ اس سلسلے میں الٰہی فرمودات اس کے تزکیۂ نفس کے لئے کافی ہوں گے۔ ان فرمودات کی روشنی میں وہ اپنے جذبات واحساسات کو صحیح سمت عطا کرے گا کیونکہ جذبات واحساسات کی برانگیختگی کی صورت میں کبھی کبھی انسانی ضمیر کی آواز دب جاتی ہے ۔ یا اس میں کمزوری آجاتی ہے اسی لئے تو رب کریم نے فرمایا ہے:

َلاَیَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَی أَلاَّ تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللّهَ إِنَّ اللّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۷ یعنی ''کسی قوم سے نفرت تمہیں ہرگز ہرگز اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، کیونکہ انصاف ہی پرہیزگاری سے قریب ہے۔ اس واضح اور بین حکم خداوندی کے بعد کسی شخص کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ وہ اپنی نفرتوں یا دیرینہ عداوتوں کا بہانہ بنا کر کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرے۔ بالفاظ دیگر ہمیں اپنی پسند وناپسند کو عدل وانصاف کی قدغنوں سے مقید کرنا ہوگا۔ ہمیں بہر صورت اس سلسلے میں جادۂ توازن اور راہ اعتدال پر چلنا ہوگا۔ ایمان وایقان سے ہماری پر زور محبت اور کفرو ترک سے ہماری شدید نفرت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم میزان عدل کی پرواہ نہ کریں اور اپنی نفرت اور عداوت کی پیاس بجھانے کے لئے لوگوں کے ساتھ ہم ظلم وزیادتی کرتے پھریں قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت غیر مسلموں سے معاملات کے وقت ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے کہ مبادا کفروشرک سے ہماری بڑھی ہوئی نفرت وعداوت ہمیں ظالموں اور سفاکوں کی صف میں لاکھڑا کردے۔ اس ضمن میں ہمیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہمیشہ یادرہے کہ'' اِنَّ اللّٰہ لاَیُحِبُّ الظَّالمین ''۸ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہاجاسکتا ہے کہ کائنات کا خالق ومالک عدل کرنے والوں کو عزیز رکھتا ہے۔ اب اگر خدا کی رضا وخوشنودی حاصل کرنی ہے تو ظلم وظالم سے دوری وعلیحدگی اور عدل وعادل سے قربت اختیار کرنی ہوگی اور مرد مومن کی معراج یہ ہے کہ وہ راضی برضائی الٰہی رہے کیونکہ مرضی معبود کے سامنے سر تسلیم خم کردینا ہی اسلام ہے اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد انسان کی اپنی مرضی یا من مانی کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی بلکہ اللہ کی رضا وخوشنودی کا حصول ہی اس کا مقصد حیات ہے ۔

حوالے:

۱۔سورہ بقرہ آیت ۳
۲۔سورہ النور، آیت ۵۱۔۵۲
۳۔سورہ احزاب آیت ۳۶
۴۔سورہ کہف آیت ۶۰ تا ۸۲
۵۔سورہ الاعراف آیت ۱۷۹
۶۔سورہ شوریٰ آیت ۵۱
۷۔سورہ مائدہ آیت ۸